ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

مکلی میں مرگ, ایک نئی جہت

Makli Mein Marg, A New Dimension

کرن اسلم

لیکچرار شعبہ اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر آمنہ رفیق

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، دی یونیورسٹی آف لاہور۔ لاہور کیمپس

ABSTRACT:

Archaeology is part and parcel of anthropology. Early researches of anthropology were based upon archaeology. Archaeological record consists of artifacts , architecture, bioafacts or ecofacts and cultural landscapes. Cultural sites and architecture of any country tells the story of its old civilization. Dr. Ghafir Shahzad is a famous poet, novelist and architecture of Pakistan . His novel "Makli Mein Marg" is a unique novel in archeological perspective. He is very well experienced in his architecture field. "Makli Mein Marg" represents the different philosophies and concepts of death and life according to religious and non religious view points. The title of novel revolves around an international conference on the topic of Buildings and Architecture, which had been held at an archeological site of "Makli graveyard" situated in Famous Sindh Civilization .The Makli is Asia's largest graveyard, where the Knights, Nawabs and Rajas of their times had been buried, was chosen due to his historical and archaeological value. The novel reveals the truth that how different religious personalities make spaces in people's heart and mind. Even the on mass level people don't know how they were in the real life. Blind believes make the people the"Mureed" of that unseen person and they happily destroy sometimes, their whole life to make the dead person happy. The novelist has mentioned some very famous tombs and mausoleum of Sindh and Punjab as well, like Hazrat Sultan Bahu, Hazrat Usman Hajvery(Data Darbaar), Bi Bi Pak Daman etc. and many historical places of Mughals. The Novel also explains the scenarios of the renovations of tombs and mausoleum politically. Some characters in the different situations looks like some real life characters of Pakistan. It is a very unique novel of 21st century's Urdu novels in Pakistan.

Key Words: Archaeology, Architecture, Cultural Heritage, Civilization, Tombs, Historical Places, 21st Century Urdu Novel.

ماضی کی اہمیت سے دنیا میں کسی کو انکار نہیں ہے۔ قوموں کے عروج وزوال کی داستان، ماضی کے آثار کے توسط سامنے آتی ہے۔ قومیں اپنے ماضی کی تاریخی یادگاروں کے ذریعے اپنے بزرگوں کے کارنامے، تمدن، تہذیب، ماضی کے خواص وعوام کی ثقافت اور تاریخی عمل محفوظ رکھتی ہیں۔ ماضی کی علامتوں میں سب سے اہم تاریخی یادگاریں ہیں۔ جن میں قدیم عمارتیں، مجسمے، اوزار، برتن، زیورات اور لباس وغیرہ شامل ہیں۔ قدیم عمارتیں، جنھیں آثارِ قدیمہ میں شامل کیا جاتا ہے، ماضی کا تعلق، حال سے قائم کرتی ہیں۔ آثاریات، بشریات کی اہم ترین بنیادی جہت ہے۔ جسے ماہرین، حقیقی بشریات بھی قرار دیتے ہیں۔ آثارِ قدیمہ سے تعلق رکھنے والی عمارتیں، اپنے عہد کے عروج وزوال کی گواہی دینے والا ایک ایسا کردار بن کر قائم رہتی ہیں، جن کے خال وخد، امتدادِ زمانہ کی تندی وتیزی میں بھی اپنی عظمت اور وقار برقرار رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر غافر شہزاد، شاعر اور ادیب ہی نہیں ایک ماہرِ فنِ تعمیر بھی ہیں۔ غافر شہزاد، جن کا اصل نام عبدالغفور ہے۔ محکمہ اوقاف پنجاب میں گذشتہ تیس سال ڈپٹی ڈائریکٹر آرکی ٹیکچر کے عہدے پر فائز رہے۔ مزارات، خانقاہیں، مقابر وغیرہ کا فنِ تعمیر اور جمالیات ڈاکٹر غافر شہزاد کا تحقیقی موضوع ہے۔ فنِ تعمیر میں کسی شاعر، ادیب کی دل چسپی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ فنونِ لطیفہ کی تمام گہرائیوں اور گیرائیوں سے واقف ہے۔ اس لیے کہ فنِ تعمیر کو بنیادی فن قرار دیا گیا ہے؛ یعنی یہ فن دیگر فنون مثلاً مصوری، خطاطی، شاعری، غنا کو اپنی گود میں جگہ دیتا ہے۔ گوئٹے نے فنِ تعمیر کو منجمد موسیقی اور موسیقی کو فنِ تعمیر کی ایک مائع صورت کہا تھا۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

"Music is liquid architecture and Architecture is frozen music." ۱

ناصر عباس نیّر کا کہنا ہے کہ گوئٹے کی اس بات میں اتنا اضافہ کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ منجمد ضرور ہے، خاموش اور مردہ نہیں ہے۔ ۲ غافر شہزاد، وہ شاعر ہیں جو اُن معدودے چند افراد میں سے ہیں جو تہذیب کی روح میں پرورش پانے والے فنِ تعمیر کی موسیقی کی سُر تال سُن سکتے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ غافر شہزاد فنِ تعمیر کی جمالیات ہی سے نہیں اس کی شعریات سے بھی دل چسپی رکھتے ہیں۔ غافر شہزاد نے زیادہ تر لاہور کی تاریخی عمارات کی داستانیں بیان کی ہیں لیکن، مذکورہ ناول "مکلی میں مرگ" سندھ کی تہذیب سے وابستگی کا اظہار ہے۔

ناول کا عنوان "مکلی میں مرگ" بشریات کی بنیادی جہات میں سے ایک اہم جہت آثاریات کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ پاکستان کے جغرافیائی خطے میں مشمولہ آثارِ قدیمہ میں سے اکثر، عالمی ورثہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ انھیں میں سے ایک 'مکلی کا قبرستان' بھی ہے۔ ناول "مکلی میں مرگ" اکیسویں صدی میں ہونے والی ایک کانفرنس جو "عالمی تنظیم برائے روایتی عمارات و تعمیرات" کی جانب سے منعقد کرائی جارہی تھی؛ کے دعوت نامے سے اپنا آغاز کرتا ہے۔ لیکن اس باقاعدہ آغاز سے پیش تر، ناول نگار نے زندگی، موت اور حیات بعد از ممات کے دنیوی پہلو، مذہبی پہلو اور عوامی پہلو پر فلسفیانہ بحث پیش کی گی ہے۔

"مکلی میں مرگ" کو بشریات کے تناظر میں جانچنے کے ضروری ہے کہ اِن فلسفیانہ مباحث کا جائزہ پہلے لیا جائے، کیوں کہ کتاب کے آغاز میں بیان کی جانے والی بحث اور سوالات، بشریات کے مذہبی پہلو اُجاگر کرتے ہیں۔ خدا اور اس کے وجود کے بارے میں مختلف مذاہب کے نظریات پر بشریاتی مباحث ملتے ہیں۔ کسی مذہب نے خدا کی وحدانیت پر زور دیا اور کسی نے تثویت پر، کسی نے دیوتا بنائے اور کسی نے طاقت ور اجسام اور قدرتی مظاہر کو خدا کا درجہ دیا۔ خدا کے حوالے سے اسی قسم کی نظریاتی بحث ہمیں مذکورہ ناول کے ابتدائی صفحات میں نظر آتی ہے:

> "کرۂ ارض کے مختلف خطوں پر اس لیے بھی خدا صدیوں سے موجود رہا ہے کہ نظر آنے والی اس کائنات کے خالق کو کوئی نام تو دینا تھا۔ ہر زمانے کے دانش وروں نے خالقِ کائنات کے حوالے سے مختلف نظریات پیش کیے مگر جن لوگوں نے کائنات کے ایک حصّے کے طور پر خدا کے وجود کو دیکھا۔ انہیں کائناتی قوتوں کی صورت میں خدا کی کئی شکلیں مجسم نظر آئیں کہ جنہیں پہلے پہل دیوی دیوتاؤں کی صورت میں مختلف زمانوں کی تہذیبوں اور ثقافتوں میں پیش کیا جاتا رہا۔ جب معاملات قدرے پیچیدہ ہونے لگے تو اس کثرت میں وحدت تلاش کر کے توحید اور وحدانیت کی بات کی گئی جس پر آخری بڑے مذہب اسلام کا ڈھانچہ کھڑا ہے۔" ۳

آثاریات کا تعلق فناشدہ انسانی ادوار سے ہے۔ اسی لیے بشریات کا گہرا تعلق موت سے بھی ہے اور اس میدانِ علم کا ایک خاص موضوع موت اور فناشدہ تہذیب سے وابستہ بستیاں ہیں۔ گذشتہ زمانوں کے بارے میں تحقیقات کے لیے بشریات، موت کے بعد کی نشانیوں سے ہی مدد لیتی ہے اور اُن قدیم ادوار کے انسانوں کی تہذیب، ثقافت، مذہب، زبان اور طرزِ معاشرت کے بارے میں معلومات حاصل کرتی ہے۔ موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں ہر مذہب میں کوئی نہ کوئی نظریہ اور عقیدہ ضرور موجود ہے۔ جو اس کے پیروکاروں کے ایمان کا حصّہ بنتا ہے۔ اسی نظریاتی اختلاف کی وجہ سے ہر مذہب میں موت کے بعد تدفین وغیرہ کے اصول اور رسومات مختلف ہیں۔ موت کے بعد کی زندگی سے جڑا ہوا، ایک پہلو تو جنت یا جہنم کی زندگی ہے۔ جس کے بارے میں ہر مذہب کوئی نہ کوئی تصور رکھتا ہے۔ حیات بعد از موت کا ایک دوسرا پہلو، وہ زندگی ہے جو مرنے والے کے لواحقین دوست احباب وغیرہ کے دل و دماغ میں جنم لیتی ہے۔ زندہ لوگ، مر جانے والے کے بارے میں، دوسروں کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے، دوسروں کے دل و دماغ میں اُس شخص کے لیے ایک جیتا جاگتا تصور قائم کرتے ہیں۔ بیان کرنے والا خود بھی اپنی یادداشت میں اُس مردہ شخص سے متعلق ایک نئی زندگی کو موجود

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

پاتا ہے۔ بعض اوقات وہ خوبیاں اور صلاحیتیں جو مرنے والے میں موجود ہی نہ تھیں، اُس کی ذات سے منسوب کر دی جاتی ہیں اور اُنہی خوبیوں سے متصِف ایک نئی شخصیت ذہنوں میں جینے لگتی ہے۔

کچھ اِسی قسم کی صورت حال، ہمارے معاشرے میں اُن عقیدت مند افراد کی ہے، جنھوں نے کبھی اُس بزرگ کو دیکھا نہیں ہوتا، جس کے مزار پر بڑی محبت سے حاضری کے لیے آتے ہیں، لیکن اُن سے قلبی لگاؤ ایسے ہی محسوس کرتے ہیں جیسے اُن کے ساتھ کوئی قریبی رشتہ رہا ہو۔ اس سارے عمل کے ذریعے ہی معاشرے میں ایسے نظریات اور عقائد جنم لیتے ہیں، جنھیں بعد ازاں مذہب سے وابستہ کر دیا جاتا ہے۔

> ''عقیدت مندوں نے صدیوں پہلے دفن ہو جانے والے صوفیا کو دیکھا بھی نہیں ہوتا، صرف اُن کے بارے میں سُنا اور کتابوں میں پڑھا ہوتا ہے۔ لیکن وہ ان کے ذہنوں میں تو لدپذیر ہو جاتے ہیں۔ عقیدت مند ان کو ساتھ ساتھ لیے پھرتے ہیں۔" ۴

حیاتیاتی ارتقا، بشریات کے بنیادی مباحث میں شامل ہے۔ زندگی کی بات ہو یا موت کی بحث، ہر دو صورت میں، طبیعیات کا عمل دخل رہتا ہے۔ زندگی اور موت دونوں سے متعلق ہی مذہب اپنے تصورات دیتا ہے۔ اس حوالے سے ہمیں زیرِ نظر ناول میں تفصیلی بحث ملتی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

> ''مذہب اور سائنس اس بات پر متفق ہیں کہ انسان ایک نطفے سے جنم لیتا ہے، ایک قطرے سے وجود پاتا ہے۔ یہ قطرہ زیرِ زمین بیج کی طرح پھوٹتا اور پروان چڑھتا ہے۔۔۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ جسم بذاتِ خود زندگی کیا ایک مکمل صورت ہے!! اس لیے کہ جسم ساکن اور جامد نہیں ہوتا۔ یہ مسلسل بڑھتا رہتا ہے، اس کی نمو کا عمل جاری رہتا ہے، اس کے مختلف حِصّے اپنے حجم کو بڑھاتے رہتے ہیں اور پھر ایک مقام پر پہنچ کر یہ بڑھوتری رک جاتی ہے اور یہی موت ہے!! یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے پودے، پرندے، درندے، سمندری مخلوق اور کائنات میں موجود تمام جاندار اپنے وجود کو بڑھاتے ہیں اور پھر ایک مقام پر پہنچ کر رک جاتے ہیں۔ انسانوں کی طرح ان کے اندر موجود روح کی الگ سے کبھی شناخت نہیں کی گی۔ ایک مقام پر پہنچ کر رک جانا، ان جانداروں کی موت قرار پاتا ہے۔ تو پھر انسان کے لیے ایسا کیوں نہیں؟ انسان کو جسم اور روح، دو الگ الگ حِصّوں میں کیوں بانٹا گیا ہے؟ کیا اس کے پیچھے الہامی مذاہب میں پیش کیے جانے والے جزا اور سزا کا تصور ہے؟ ۵

انسان کے حیاتیاتی ارتقا کے ہر دم جاری رہنے والے عمل میں نہ صرف طبعی بشریات بلکہ بشریات کے مذہبی پہلو بھی متوازی طور پر چلتے ہیں۔ موت جہاں ایک سماجی واقعہ ہے، وہاں اس کا مذہب سے بھی گہرا تعلق ہے۔ اسی وجہ سے اس سماجی واقعہ کی آخری رسومات میں مذہب کا گہرا دخل ہے۔

''مکلی میں مرگ'' ایک غیر روایتی ناول ہے۔ موضوع کے اعتبار سے بھی اور واقعات کے اعتبار سے بھی۔ ناول کا مطالعہ کئی بار سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ یہ ناول سے زیادہ تاریخی عمارات اور فنِ تعمیر کے بارے میں دستاویز کی ایک صورت ہے۔ لیکن، ناول کے کرداروں کو دیکھا جائے تو اُن میں کہانی کا انداز نظر آتا ہے۔ ناول میں باقاعدہ کوئی ایک کہانی یا قصہ نہیں ہے۔ عمارتوں کی تاریخی حیثیت کے بنیادی اور مرکزی موضوع کے ساتھ ناول میں کئی موضوعات بین السطور چلتے ہیں۔

امجد اسلام امجد اس ناول کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''تحریر پر کئی اصناف نثر کے گمان گزرے مگر ناول کی جو تعریف اور تصور عمومی طور پر راج اور تسلیم شدہ ہے اُس کی طرف ایک بار بھی دھیان نہیں گیا مگر پھر بھی خیال آتا ہے کہ لفظ Novel کا تو مطلب ہی نئی اور انوکھی تحریر ہے۔" ۶

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

ساجد علی امیر نے بھی ''مکلی میں مرگ'' کو نئے اندازِ فکر کا ناول قرار دیا ہے۔ے رحمان حفیظ نے ناول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''یہ ناول نہ تو محض تاریخ ہے اور نہ نری فکشن بلکہ قاری کو ان دونوں کے درمیان ایک دل چسپ راستہ سمجھایا گیا ہے۔'' ۸

ناول کا باقاعدہ آغاز ایک نوجوان آرکی ٹیکٹ ارسلان منصور کو موصول ہونے والے اس دعوت نامے کے ذکر سے ہوتا ہے۔ جو ''عالمی تنظیم برائے روایتی عمارات و تعمیرات'' کی جانب سے ایک کانفرنس کے سلسلے میں ہے۔ دل چسپی کا عنصر یہ ہے کہ اس کانفرنس کے انعقاد کے لیے سندھ کے علاقے ٹھٹھہ کے معروف قبرستان کا نواحی علاقہ منتخب کیا گیا تھا۔ اس تنظیم کے سرپرستوں میں انگلینڈ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والی ایک شخصیت کا نام بھی شامل تھا۔

مکلی کے قبرستان کو ۸۰ء کی دہائی میں عالمی ثقافتی ورثہ کی فہرست میں شامل کیا گیا تھا۔ تقریباً آٹھ کلو میٹر کے رقبے پر پھیلا یہ قدیم قبرستان تعمیری جمالیات کا ذوق رکھنے والوں کے لیے ایک سیاحت کا مقام ہے۔ یہاں گزری صدیوں کے بادشاہوں، نوابوں، علما، محدثین، شعرا، فلسفی اور جرنیل دفن ہیں۔ بادشاہوں اور نوابوں کے مقابر اُن کی عظمت و سطوت کے غماز ہیں اور ساتھ ہی عوام کی قبریں بھی موجود ہیں۔ یہاں کی قبروں کی خاص بات اُن پر موجود خوب صورت نقش نگار ہیں جو اہلِ قبر کی سماجی حیثیت اور ہنر مندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ مقابر کا طرزِ تعمیر اور تعمیری کا مواد بھی اہل قبر کے رتبے کا اظہار ہے۔ یہ قبرستان ایسا تاریخی ورثہ ہے جو قوموں کے مٹ جانے کے بعد بھی اُن کی عظمت کا پتہ دیتا ہے۔ یہ قدیم قبرستان، ایشیا کا سب سے بڑا قبرستان ہے۔

کانفرنس کے دعوت نامے میں ماہر فنِ تعمیرات پاکستان کی اوّلین نسل کی نمائندہ، عرفانہ خان کا نام دیکھ کر ارسلان خوش ہو جاتا ہے لیکن معروف آرکی ٹیکٹ آغا کمال کا نام نہ پا کر حیران بھی ہوتا ہے۔ آغا کمال کے پاس بھی فنِ تعمیر میں غیر ملکی ڈگری تھی، لیکن کچھ عرصے بعد ہی وہ جدیدیت کے بجائے روایت کے دل دادہ ہو گئے تھے۔ انھوں نے مغلیہ عہد کی عمارات کی جمالیات کے پوشیدہ راز معلوم کرنے کے لیے جیومیٹری اور علم ہندسہ کا استعمال کر کے ایسے تناسب معلوم کیے تھے جو اس سے پہلے تعمیرات کی تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتے۔

''مکلی میں مرگ'' کی کہانی، قدیم عمارتوں اور فنِ تعمیر کے حوالے سے کی کہانیاں بیان کرتی ہے۔ مزارات اور مقابر سے جڑی کہانیاں، ناول کی اب تک کی دنیا میں ایک نئی طرز کی دنیا تخلیق کرتی ہیں۔ مزاروں، درگاہوں کی عمارتوں کے ڈیزائن، جس کے پیچھے تاریخ، فرقہ واریت، مذہبی اعتقادات بھی ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ناول کے کردار علامتی بھی ہیں اور حقیقی بھی۔ بعض مقامات پر تشبیہی حوالوں کی معرفت بہت سے کرداروں کو پہچانا جا سکتا ہے۔ ایک طرف اقبال باہو، پپو سائیں اور چاچا کرکٹ جیسے کرداروں کا براہ راست حوالہ ملتا ہے اور دوسری جانب نیّر علی دادا جیسے حقیقی کرداروں کو آرکی ٹیکٹ آفتاب علی اور اس کی آرٹ گیلری کے ذریعے سامنے لایا گیا ہے۔ اسی طرح طارق اسمٰعیل، ایک جرأت مند صحافی کا کردار ہے۔ جو حقیقی بھی ہے اور فرضی بھی۔ اسی کردار کے ذریعے کم و بیش تمام کہانیاں سامنے لائی گئی ہیں۔ یہ کردار بامستان کے ذریعے اپنے اخبار کے لیے صحافتی کہانیاں ترتیب دیتا ہے اور ناول آگے بڑھتا ہے۔

ابتدائی صفحات میں ہمیں مذہب اور بشریات کے تناظر میں بحثیں ملتی ہیں۔ ناول کا مرکزی موضوع چوں کہ مقابر و مزارات کی حیثیت اور اہمیت کے بارے میں ہے اس لیے ہمیں جا بجا مذہب کے بشریاتی عناصر دکھائی دیتے ہیں۔ بشریات معاشرتی سطح پر لوگوں کے عقائد اور نظریات کی وجہ سے اُن کی زندگیوں پر آنے والے اثرات کا بغور جائزہ لیتی ہے۔ کس طرح یہ عقائد، افراد کے رویوں اور سوچ کو بناتے اور بگاڑتے ہیں۔ ان عقائد میں مزاروں، درگاہوں اور مقبروں کا کتنا کردار ہے۔ اس حوالے سے ''مکلی میں مرگ'' اہم معلومات فراہم کرتا ہے۔

اسلامی دنیا میں بالعموم اور برصغیر پاک و ہند میں بالخصوص تصوف اور صوفیا سے منسلک درگاہوں کی بہت اہمیت رہی ہے اور اکیسویں صدی میں یہ اہمیت اور حیثیت سیاسی، سماجی اور معاشی ادارے کے طور پر سامنے آئی ہے۔ پاکستان کے تقریباً سبھی شہروں اور دیہات میں کسی نہ کسی صوفی شاعر یا ولی اللہ کا مزار موجود ہے۔ جہاں روزانہ ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں عقیدت مند حاضری دینے آتے ہیں۔ ناول نگار نے پاکستان کے اور بالخصوص لاہور کے تمام اہم اور معروف مزاروں، درگاہوں کے بارے میں تذکرہ کیا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

مثلاً علی بن عثمان ہجویری کا مزار (المعروف داتا دربار لاہور)، حضرت میاں میر کا دربار، دربار شاہ چراغ لاہوری، دربار موج دریا بخاری، شاہ حسین، بی بی پاک، وارث شاہ، شاہ ابوالمعالی اور شاہ جمال کا دربار اسی طرح بلھے شاہ اور سلطان باہو کا دربار۔ کراچی میں عبداللہ شاہ غازی کا دربار اور قائد اعظم کا مزار۔

عوامی عقائد کی پرورش اور پختگی میں مزاروں کا عمل دخل قرین قیاس ہے۔ مزاروں کو شعوری طور پر ایسا بنانا کہ کوئی نظریہ، تصور، عقیدہ وغیرہ عقیدت مندوں میں پروان چڑھایا جاسکے، ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ اُچ شریف میں دفن صوفیا کے بارے میں طارق اسمٰعیل نے ارسلان کو کافی معلومات فراہم کی تھیں۔ عقائد کو پروان چڑھانے کے لیے کی جانے والی شعوری کوششوں میں سے ایک کی مثال درج ذیل ہے:

> ''مسجد حضرت جلال الدین سرخ پوش بخاری کی غربی دیوار کی بیرونی جانب، دیوار کا کچھ حصّہ اس طرح تعمیر کیا گیا ہے کہ وہاں دیوار کو پکڑے ہوئے قدم بہ قدم چلا جاسکتا ہے۔ عقیدت مندوں کا خیال ہے کہ اگر آپ ایک جانب سے اِس مشکل راستے پر چلتے ہوئے، دوسری جانب کامیابی سے پہنچ جائیں تو سمجھیں آپ کا پل صراط کا سفر آسان ہو گیا۔''[۹]

کراچی ابتدا میں زمین کا ایک جزیرہ نما ٹکڑا تھا۔ یہاں کے مشہور و معروف تین صوفیا کے حوالے سے مقامی عقیدوں کا کہنا ہے کہ اُن کی کرامات سے کراچی سمندری طوفان سے اب تک محفوظ ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ کراچی کے تین اطراف پانی تھا اور ان تینوں کناروں پر صوفیا کے ٹھکانے تھے۔ جنھیں سمندری پانی پر گرفت حاصل تھی اور وہ لہروں کو قابو رکھتے تھے۔ اس لیے کبھی ایسا نہ ہوا کہ لہروں نے کراچی کی آبادی کو ڈبویا ہو۔ لہریں ایک حد تک آتی تھیں۔ ان صوفیا کے وصال کے بعد انہیں وہیں دفن کر دیا گیا تھا جہاں بعد میں اُن کے مزارات تعمیر کر دیے گئے۔ [۱۰]

تہذیب اور ثقافت عقیدے اور عمل کے امتزاج کا نام ہے۔ پاکستانی تہذیب اور ثقافت میں خانقاہوں، درگاہوں اور صوفیا کا خاص مقام ہے۔ ان سے عقیدت اور محبت عوام کے دلوں میں نہایت گہری ہے۔ ان بزرگوں کا تعلق خواص سے نہیں عوام سے تھا اور ان کے مخاطب بھی درباری لوگ نہیں بلکہ عوام تھے۔ ان بزرگوں کی دعاؤں کی قبولیت پر ہر خاص و عام کو یقین ہوا کرتا ہے۔ اسے لیے مزاروں، درباروں پر عقیدت مند اپنی دعائیں قبول کروانے جاتے ہیں۔ اُن کا ماننا ہے کہ اہلِ دربار، ولی اللہ اُن کی دعائیں قبول کروانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ہر دربار پر زائرین کی بڑی تعداد کی آمد کا مقصد منتیں ماننا ہوا کرتا ہے اور ہر دربار یا درگاہ پر منتوں کے لیے جگہ بھی مخصوص کر دی جاتی ہے۔ جس کے لیے طریقہ بھی الگ الگ استعمال ہوتا ہے۔ کہیں منتوں کے دھاگے باندھے جاتے ہیں۔ کہیں دیے جلائے جاتے ہیں۔ سلطان باہو کے مزار پر منتوں کے لیے جگہ اور طریقہ اس عام روایتی طرز سے مختلف تھا۔ جسے طارق اسمٰعیل نے دیکھا اور بیان کیا۔ پاکستانی ثقافتی بشریات کا ایک اہم حصہ درج ذیل اقتباس سے ظاہر ہے:

> ''سلطان باہو کے صحن کی دائیں جانب برآمدہ تھا۔ جس میں لوگوں کا ہجوم نظر آیا۔ قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہاں پانی کا ایک تالاب ہے اور اس تالاب میں بچوں کے پلاسٹک کے کھلونوں کا انبار لگا ہوا ہے۔ تالاب کے پانی میں لوگ کھلونوں کے ساتھ ساتھ کرنسی نوٹ بھی پھینک رہے تھے۔ اس تالاب کے ارد گرد سٹیل کا ایک اونچا جنگلا نصب تھا۔ ان کھلونوں اور کرنسی نوٹوں تک کنارے پر کھڑے لوگوں کی رسائی نہیں تھی۔۔۔ مزار کے عقبی حصّے کے صحن میں ایک پرانے درخت کے نیچے کچھ خواتین نے اپنے دوپٹے زمین پر پھیلا رکھے تھے اور وہ جیسے کسی خاص گھڑی کے انتظار میں وہاں بیٹھی تھیں۔'' [۱۱]

بے اولاد خواتین کا، اولاد کے حصول کے لیے منتیں ماننے کے لیے درباروں پر جا کر حاضری دینا اور اُس مقام پر راج رسومات کی ادائی کرنا برصغیر پاک و ہند میں معمول کی بات ہے۔ اولاد خصوصاً اولادِ نرینہ کے حصول کے لیے بلاناغہ بے شمار خواتین یہاں آکر نذرانہ بھی دیتی ہیں اور دوپٹہ بھی زمین پر پھیلاتی ہیں۔ پھر لنگر کا کھانا بھی کھا کر جانا ایک

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے۔ لنگر کو باعثِ برکت تصور کیا جانا بھی صرف مسلم کمیونٹی کا حصّہ نہیں، برصغیر کے ہندو بھی انہی خیالات کے حامل ہیں، یا شاید ہندو آباد اجداد کی وجہ سے ہی مسلمانوں میں یہ تصور پروان چڑھا۔

انسانی سماج کسی ایک مذہب کے تابع ہو یا کثیر المذاہب افراد کا حامل، ہر دو صورت میں ہی انسان اُس سماج کو اپنے ہی سہولیات سے مزین کرنا چاہتا ہے۔ انسان زندگی کی بہتر سے بہتر سہولیات اور آسائشیں جمع کر کے اپنے لیے عالی شان رہاش گاہ تعمیر کرنے کی تگ و دو میں مصروف رہتا ہے۔ اس دنیا میں عزت دار اور کامیاب انسان بننے کا یہ ایک بنیادی پیمانہ تصور کیا جاتا ہے۔ تمام مذاہب کے علما اس فانی دنیا کے بجائے اخروی دنیا کی تیاری پر زور دیتے ہیں کیونکہ آخرت کو ایک مستقل ٹھکانہ سمجھا جاتا ہے۔ آخرت کی فکر کرنے کی تلقین مذہب بھی بار بار کرتا ہے۔ آخرت کی فکر کرنے کے ساتھ، حاکمانہ سطح پر ایک تصور اور وابستہ ہے، یہ کہ مرنے سے پہلے ہی اپنی جائے تدفین کا انتخاب کیا جائے اور اُس پر بہترین تعمیر کرائی جائے تاکہ دیگر عوامی قبور سے نمایاں رہا جا سکے۔ اپنی قبر کو دیگر قبروں سے نمایاں کرنے کی خواہش، کسی بزرگ یا ولی اللہ کے قریب دفن ہونے کی خواہش، یہ ایسی تمنائیں ہیں جنھوں نے روحانی شخصیت کی قبر کے ارد گرد کے رقبے کو قبرستان کی شکل دینا شروع کی۔ یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام میں بہت سے قبرستان، کسی نہ کسی روحانی شخصیت کے نام سے پہچانے جاتے رہے۔ اسلام میں قبر کو پختہ کرنے اور نمایاں کرنے کی ممانعت کی وجہ سے کفن اور تابوت کو ریشمی کپڑے، اعلیٰ لکڑی، کندہ کاری اور خطاطی کے ذریعے امتیاز دیا جانے لگا۔ قبر کے تعویذ پر ماربل کے اعلیٰ ترین نمونے، ہر قبرستان میں دیکھنے کو مل جائیں گے۔ قبر کے سرہانے نصب لوح کا ڈیزان، خطاطی، قرآنی آیات، شجرہ نسب وغیرہ کی تفصیلات دفن ہونے والے کو دیگر مدفین سے ممتاز کرتی ہیں اور اسی سلسلے کی توسیعی صورت قبر پر کمرہ بنانا، مزار، گنبد اور پھر مزار کی عمارت کا تعمیراتی معیار، جمالیات، آرائش گویا اعلیٰ تر جمالیاتی حصول کی دوڑ لگ جاتی ہے۔ اسی لیے برصغیر میں خاص طور پر مزارات کی شکل میں فنِ تعمیر کے اعلیٰ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ۱۲

''مکلی میں مرگ'' کا مرکزی موضوع چونکہ قبر، قبرستان، موت کے بعد کی زندگی کا تدفینی پہلو، مزارات اور خصوصاً مکلی کا قدیم قبرستان ہے۔ اِس لیے ناول میں آثارِ قدیمہ کی بہت سی تفصیلات موجود ہیں۔ آثاریات کے حوالے سے درج ذیل اقتباسات دیکھیے:

> ''سندھ میں قدیم عمارات اور سامان تعمیرات کی جھلک مکلی قبرستان میں تعمیر ان مقبروں اور قبروں میں آج بھی موجود ہے، جسے دیکھنے کے لیے دنیا بھر سے سیاح اور تعمیرات کا جمالیاتی ذوق رکھنے والے آتے رہتے ہیں۔ یہاں زندگی اور موت کا عجیب امتزاج ملتا ہے۔ ایک جانب گزری صدیوں کے بادشاہ اور نوابوں کے مقبرے ہیں جو اپنے اندر دفن شخصیات کی عظمت اور سطوت لیے ہوئے ہیں، مرنے کے بعد بھی اُن کی شہنشاہیت کے نشان عوام کے دلوں پر اُن کی حاکمیت کا گرز برساتے ہیں اور ساتھ ہی دوسری جانب کثیر تعداد میں عام عوام کی قبریں بھی موجود ہیں۔'' ۱۳

ناول نگار نے ناول میں مکلی کے قبرستان کے بارے میں تفصیلات درج کرنے کے علاوہ مکلی کی تاریخ بھی بیان کی ہے۔ جس کے باعث مذکورہ ناول آثاریاتی حوالے سے اہمیت اختیار کر جاتا ہے:

> ''اس علاقے میں پہلے پہل ہندو مذہب سے وابستہ لوگ آباد تھے، یہاں کے کاری گر، یہاں کے رسم و رواج، طرزِ تعمیرات و معاشرت، ثقافت سب کچھ ہندو مذہب سے جڑا ہوا تھا۔ یہایسا شہر ہے جہاں ایک طرف شمال سے آنے والے مسلمان حکمران محمود غزنوی نے اپنے نشانات چھوڑے تھے تو دوسری جانب، جنوب سے محمد بن قاسم سمندری راستے سے کراچی پہنچا اور یہاں تک چلا آیا تھا۔۔۔ مسلمانوں کی یہاں آمد سے قبل ہندو مذہب و تہذیب سے جڑی عمارتوں کی تعمیر کے آثار اب بھی کسی نہ کسی صورت موجود تھے۔'' ۱۴

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

مکلی کے علاوہ، ناول میں جن آثار قدیمہ کا تذکرہ ملتا ہے، اُن میں بادشاہی مسجد، قلعہ لاہور، نور جہاں اور جہانگیر کے مقابر، شاہ جہاں دور کا تعمیر کردہ شالیمار باغ کا بھی سرسری تذکرہ ارسلان منصور کے حوالے سے نظر آتا ہے۔ ارسلان نے لاہور آکر ان تمام آثارِ قدیمہ کو دیکھا تھا۔ امریکا میں رہتے ہوے اُس نے ان عمارتوں کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ لیکن اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اُس نے ان عمارتوں کی تاریخ اور طرزِ تعمیر کے حوالے سے بہت کچھ جان لیا تھا۔ امریکا میں اُس نے زیادہ تر مغلیہ عمارتوں کے تذکرے میں شاہ جہاں کے تعمیر کردہ 'تاج محل' کے بارے میں سنا تھا۔ مغلوں کی تعمیرات کی باقی تفصیلات اُسے پاکستان آکر معلوم ہوئیں۔ پاکستان میں موجود آثاریات کا ذکر ہو تو ہڑپہ اور موہن جوداڑو کا تذکرہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ ''مکلی میں مرگ'' ناول جس کا عنوان ہی آثاریات کا نمائندہ ہے، ہڑپہ اور موہن جوداڑو کے بارے میں بات کیے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا تھا۔ ٹھٹھہ جو کسی زمانے میں دریاے سندھ کے کنارے واقع تھا، اُس کی تہذیب اور معاشرت کے آثار مکلی میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح دریا کنارے موجود شہروں میں سے ہڑپہ اور موہن جوداڑو کی تہذیب اُن بستیوں کی بڑی مثالیں ہیں۔ جو دریا کے خشک ہو جانے سے یا راستہ بدل لینے کی وجہ سے برباد ہو گئیں۔ ان دونوں تہذیبوں کے بارے میں ناول میں جو تفصیلات ملتی ہیں، درج ذیل ہیں:

> ''موہن جوداڑو اور ہڑپہ کی تہذیب کا عہد، ہندو مذہب کے وجود میں آنے سے بہت پہلے کا ہے۔ اس کی بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ موہن جوداڑو اور ہڑپہ کی عمارتوں کے جو آثار ملے ہیں، اُن میں کہیں بھی کوئی مذہبی یا شاہی عمارت دکھائی نہیں دیتی، زیادہ تر ایک جیسے ہی مکانات ہیں، گلیاں ہیں، گھروں میں باتھ روم اور کنویں ہیں۔ چھوٹی مورتیاں اور مہریں جو ملی ہیں اُن کے مطالعے سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ ایک چھوٹی مورتی کہ جسے 'تاج دیوی' کا نام دیا گیا، کے ملنے کے بعد یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ 'ناچ' کی ابتدائی صورت رہی ہو گی، ممکن ہے بعد میں ہندو مذہب کی تشکیل کے وقت، اس رسم نے ناچ کی باقاعدہ صورت اختیار کر لی ہو۔ یک تار کا جو میوزک ملا ہے، اُس نے ہندوؤں میں بعد میں موسیقی کو مذہب کا جزو بنا دیا۔ کیصدیوں تک ہندومت کی یہاں پرورش ہوتی رہی مگر جب مسلمان آئے تو اس وقت تک ہڑپہ اور موہن جوداڑو، دونوں کے آثار منہدم ہو چکے تھے۔'' ۱۵

مکلی قبرستان میں موجود آثار قدیمہ جہاں ہمیں اُس عہد کی معاشرت کا پتہ دیتے ہیں، وہیں اُس معاشرت میں عوام و خواص کو دی جانے والی سماجی حیثیت بھی آشکار کرتے ہیں۔ ازل سے ہی انسان دوسروں کو کم تر اور حقیر سمجھتا آیا ہے۔ دوسروں پر برتری ثابت کرنے کی یہ خواہش صرف زندگی میں ہی نہیں ہوتی۔ مرنے کے بعد بھی خود کو دوسروں سے ممتاز رکھنے کے لیے بادشاہوں اور نوابوں نے اپنے لیے مقبرے بنوانے کو ترجیح دی۔ آثاریات کی تحقیق بتاتی ہے کہ کس طرح ان مقابر کی تعمیرات کی روایت کا آغاز مذہبی نقطہ نظر سے کیا گیا۔ اس بارے میں ناول سے ایک اقتباس دیکھیے:

> ''مرنے کے بعد جنت میں زندگی کا تصور تو اسلام میں موجود ہے مگر ان قبرستانوں کو بھی اس طرح زندہ رکھنا، جیسے یہاں دفن لوگوں کی حیات کی اپنی کوئی صورت بنتی ہے، یہ اسی عقیدے کی توسیع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قیامت کے روز حساب ہو گا اور اچھے اعمال والے جنت میں جائیں گے۔ قرآن میں بیان کیے گئے اس جنت کے تصور کی روشنی میں ہی پہلے پہل بادشاہوں اور صوفیا کی قبروں پر عمارات اور باغات کی تعمیر کا آغاز ہوا۔ مقبروں کے چاروں اطراف باغِ بہشت بنوائے گئے، نہریں اور فوارے جاری کیے گئے۔ پھل دار اور پھول دار درخت لگائے گئے۔ گویا زمین پر جنت کی نقالی میں ایک دنیاوی بہشت تعمیر کی گئی اور ان باغات کے وسط میں مقبرہ یا مزار کی تعمیر کی گئی۔'' ۱۶

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

مقبرے اور اُن کے اطراف میں موجود عوام کی قبریں، مرنے کے بعد بھی انسانوں کے سماجی رتبے اور حیثیت بن کر سامنے آتی ہیں۔ مکلی میں کی حکمران خاندانوں کے مقبرے ہیں۔ ان میں ترکھان، کلہوڑہ، سومرو، بلوچ، تال پور اور مغلیہ عہد کے یہاں کے حکمران بھی شامل ہیں۔۔۔ یہاں کے حکمرانوں نے اپنی زندگیوں میں ہی اپنے ابدی ٹھکانوں پر تعمیرات کر لی تھیں۔ ناول نگار نے ہمیں آثارِ قدیمہ کی تاریخی حیثیت سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی تخصیصی تحقیق کے تحت فنِ تعمیر اور سامانِ تعمیر سے آگاہی بھی دی ہے:

> ''مکلی کے قبرستان میں تعمیر عمارتیں زیادہ تر پتھر کی بنائی گئیں، بعد میں مغلوں کے عہد میں چھوٹی اینٹیں بھی استعمال کی گئیں، بلکہ تزین وآراش کے لیے چین کے شہر کاشان سے آغاز ہونے والی کاشی ٹائلوں کا استعمال بھی کیا گیا۔"۱۷

زندگی میں انسانوں کی شناخت کے معاملات، موت کے بعد کیا صورت اختیار کر لیتے ہیں، اس حوالے سے ناول میں ہمیں فلسفیانہ بحث اور اس سے پیدا ہونے والے سوالات ملتے ہیں۔ ذات برادری، حاکمیت، قومیت، مذہب اور ثقافت، شناخت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ مرنے کے بعد مزار، مقبرہ، درگاہ، دربار اور قبر بھی شناخت کے عمل کو آگے بڑھاتے ہیں۔ زندہ رہتے ہوئے تو انسان شناخت کے عمل میں سے گزرتے ہوئے اپنی شناخت کی تبدیلی سے بھی گریز نہیں کرتا۔ سماجی حیثیت اور رتبہ بعض اوقات اس تبدیلی کا باعث بن جاتے ہیں۔ لیکن مرنے کے بعد، زندہ رہ جانے والے، اُس مرے ہوئے انسان کی شناخت میں تبدیلی کرنے کے عمل سے گزرتے ہیں۔ حتیٰ کہ عام انسانوں کی ہی نہیں، مزاروں اور ان میں دفن، اہلِ قبر کی شناخت تک تبدیل کر دی جاتی ہے۔ اس تبدیلی کے عمل میں بہت حد تک سیاسی اور معاشی مفادات کا دخل رہتا ہے۔

''مکلی میں مرگ'' بشریات کے تناظر میں، آثاریاتی نقطہ نظر سے ایک اہم ناول ہے لیکن اس میں ہمیں ثقافتی اور مذہبی بشریات کے حوالے سے شناخت کے معاملات میں روایتی ناولوں سے ہٹ کر اس قدر مختلف صورتِ حال نظر آتی ہے کہ جس کے بارے میں قاری عام طور پر سوچتا نہیں ہے۔ مزاروں کے تذکرے میں بی بی پاک کے مزار کے حوالے سے سب سے زیادہ تفصیلی تذکرہ دکھائی دیتا ہے۔ ناول کا ایک کردار صائمہ علی، جو بچپن سے ہی اپنی دادی کے ہمراہ مختلف مزاروں پر حاضری کے لیے جایا کرتی تھی، بی بی پاک کے مزار سے خاص اُنسیت محسوس کرتی ہے۔

بی بی پاک کے حوالے سے ملک میں کچھ تنازع کا آغاز ہوا تھا۔ مسئلہ شناخت کا تھا۔ ایک جانب شیعہ مسلک اور دوسری طرف سُنّی مسلک، اپنی اپنی اجارہ داری چاہتے تھے۔ سیاسی و معاشی مفادات کے باعث اُس کی شناخت اس طور بدلی کہ:

> ''ناظمِ اعلیٰ اوقاف کے فیصلے کے بعد گویا شیعہ اور سُنّی، دونوں کا برابر استحقاق قائم ہو گیا تھا۔۔۔ وہ مزار جو ایک قبرستان کے طور پر اپنی پہچان رکھتا تھا، اس کی شناخت بی بی پاک کے حوالے سے ہونے لگی تھی۔ آنے والے چند برسوں میں سوشل میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا نے دربار بی بی پاک کی دوسری شناخت قائم کر دی تھی۔۔۔ حاضری کے لیے آنے والوں کے دل و دماغ میں بی بی پاک کی شناخت الگ الگ تھی۔ اپنے ذہنوں میں الگ الگ شناخت لیے عقیدت مند ایک ہی مرکز پر کھڑے ہو کر فاتحہ خوانی کرتے تھے۔ اس دوہری شناخت کی وجہ سے زائرین کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔'' ۱۸

ناول کے آخری حصّے میں یہی صائمہ علی، مزار کی تعمیرِ نو کے حوالے سے ہائی کورٹ کیس کے لیے حاضر ہوتی ہے اور ارسلان منصور کو اس کے لیے آرکی ٹیکٹ منتخب کیا جاتا ہے۔

یادگاروں کو محفوظ رکھنے کا رجحان، معاشرے کی سیاسی جدوجہد میں بڑھ جاتا ہے۔ مزارات اور مقابر کے کلچر کو فروغ دینے کے پس منظر میں ایک مقصد معیشت کو پروان چڑھانے کا بھی بتایا گیا تھا۔ جس کا ذکر ناول میں ملتا ہے:

> ''وزیرِ اعلیٰ کی سوچ یہ تھی کہ صوفیا کی شاعری کے فروغ کے ساتھ ساتھ اُن سے جڑے اعراس اور میلوں کی سرگرمیوں کو منظم کیا جائے اور لوگوں کی شمولیت میں اضافے کے لیے ان ثقافتی سرگرمیوں کی حکومتی سرپرستی

کی جائے، ہر سال تسلسل سے ہونے والی ان سرگرمیوں کو مقامی کلچر، کھیلوں، میلوں ٹھیلوں سے جوڑ دیا جائے۔
اس طرح معیشت بھی پروان چڑھے گی، صحت مند سرگرمیوں کو فروغ ملے گا اور ملک کی نظریاتی شاخت بھی
مستقل مزاج ہو جائے گی۔اس سلسلے کا پہلا منصوبہ ''وارث شاہ میموریل کمپلیکس'' کی تعمیر کا بنایا گیا۔'' ۱۹

مکلی کے قبرستان کا زمانہ چار سو برس پر محیط ہے اور ان چار صدیوں کے آثار کی وہاں موجودگی عمارات، کھنڈرات، قبروں اور قریب بہتے دریائے سندھ کی صورت میں اپنے ہونے کی گواہی دیتی ہے۔

''مکلی میں مرگ'' بشریات کے بنیادی مباحث میں سے آثاریات، مزارات کی ثقافت اور مذہبی حوالے سے ایک قابل قدر ناول ہے۔ایک ایسا ناول جو زندگی اور موت کے فلسفے، حقیقت اور مجاز اور ''گوریپا کوئی اور "کا حوالہ دہراتا رہتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ ناول اُردو ادب بلکہ اکیسویں صدی کے اُردو ادب کا، تہذیب، ثقافت اور آثاریات کے حوالے سے منفرد اور نمائندہ ناول ہے۔

حوالہ جات

1. https://www.elemental-architects.com/post/architecture-is-frozen-music#:~:text=An%2018th%2Dcentury %20writer%20Johann,and%20Architecture%20is%20frozen%20music%E2%80%9D.

۲۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیّر، "غافر شہزاد اور "کارساز" کے افسانے "مشمولہ سہ ماہی فنون، شمارہ ۱۴۴،۱۴۳(لاہور: واپڈا ٹاؤن، ۲۰۲۴ء)ص:۱۱۱

۳۔ غافر شہزاد، مکلی میں مرگ،(لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۲۰)، ص:۵

۴۔ ایضاً، ص:۶

۵۔ ایضاً، ص:۷،۸

۶۔ (www.express./story/2193805/?amp=1)

۷۔ (humsub.com.pk/44291)

۸۔ (www.mukaalma.com/12800)

۹۔ غافر شہزاد، مکلی میں مرگ، ص:۷۴

۱۰۔ ایضاً، ص:۸۳

۱۱۔ ایضاً، ص:۹۱،۹۲

۱۲۔ غافر شہزاد پنجاب میں صوفی درگاہیں، کمال سے زوال تک،(لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۴)ص:۴۱

۱۳۔ غافر شہزاد، مکلی میں مرگ، ص:۱۱

۱۴۔ ایضاً، ص:۱۰۳

۱۵۔ ایضاً، ص:۱۰۵،۱۰۴

۱۶۔ ایضاً، ص:۱۰۵

۱۷۔ ایضاً، ص:۱۰۶

۱۸۔ ایضاً، ص:۵۲،۵۳

۱۹۔ ایضاً، ص:۳۲